کتابیات کے ذیل میں انیس (۱۹) کتب اور پانچ (۵) رسائل کی فہرست دی گئی ہے مگر اس میں کسی ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔

مجموعی طور پر اس مونوگراف میں عبدالحلیم شرر کے انشائی ادب کا احاطہ کرنے کی عمدہ کوشش کی گئی ہے اور اس میں شامل لوازمہ بڑی محنت اور عرق ریزی سے نہ صرف جمع کیا گیا ہے بلکہ اس کا تجزیہ بھی خوب صورت انداز میں کیا گیا ہے، گو کہ یہ مونوگراف ایم۔اے کی سطح کا ہے لیکن اس کے باوجود اردو ادب میں اس کی اہمیت وافادیت سے کسی طور انکار نہیں کیا جاسکتا، کتاب کی اشاعت بھی نہایت سلیقے سے اور نفیس انداز میں کی گئی ہے، تحریر واشاعت کی اس عمدہ پیش کش پر مؤلف وناشر قابل مبارک باد ہیں۔

۳۔ کتاب کا نام :''راجستھانی اور اُردو''

مؤلف :ڈاکٹر فیروز احمد (پروفیسر شعبہء اُردو فارسی، راجستھانی یونیورسٹی، جے پور)

ناشر : گلوبل کمپیوٹرس اینڈ پرنٹرس، رام گنج بازار، جے پور

ضخامت :۳۲۰صفحات

اشاعت :۲۰۱۰ء

مبصر :انعام الحق عباسی: پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہء اُردو سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

اُردو زبان کے آغاز وارتقاء سے متعلق اب تک مختلف نظریات پیش کیے جاتے رہے ہیں، ان نظریات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی قدیم اور جدید، قدیم نظریے سے مراد ایسے اشخاص اور ان کے پیش کردہ نظریے ہیں جن کی بنیاد محض قیاسات پر ہے، ایسے نظریات کی بنیاد چوں کہ مستحکم قواعد یا لسانی اصولوں پر نہیں تھی اس لیے بعد ازاں ماہرینِ لسانیات نے انھیں رد کر دیا اور جدید نظریات کی بنیاد رکھی، لیکن جس طرح قدیم نظریہ سازوں کے نظریات ایک دوسرے سے متصادم اور متضاد رہے اسی طرح اردو کی لسانی تشکیل اور اس کے آغاز کے متعلق جدید نظریات میں بھی ہم آہنگی اور اتفاق رائے کا فقدان ہے، ان نظریہ سازوں میں شمس اللہ قادری، ابواللیث صدیقی، احتشام حسین، مولوی عبدالحق، حافظ محمود شیرانی، سید سلمان ندوی، نصیر الدین ہاشمی، حامد حسین قادری، مرزا خلیل احمد بیگ، آمنہ خاتون، جارج گریرسن، ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ڈاکٹر گیان چند جین قابل ذکر ہیں۔

اردو اپنے آغاز وارتقاء میں کن مرحلوں سے گزری اور اس کی تشکیل میں کن زبانوں، خطوں، قوموں اور قبیلوں نے کیا کردار ادا کیا، یہ ایک طویل بحث ہے لیکن جو بات بالخصوص قابل ذکر ہے وہ یہ کہ امیر خسرو (متوفی ۱۳۲۵ء) کے بعد سولھویں بلکہ سترھویں صدی تک شمالی ہند میں اردو زبان کا کوئی نقش یا نمونہ دستیاب نہیں ہوتا جب کہ انھی صدیوں میں شمالی ہند سے دور جنوبی ہند میں اردو (گجری/دکنی کے نام سے ہی سہی) بتدریج ارتقاء کے مراحل طے کرتی ہے، یہی وہ گتھی ہے جسے سلجھانے کے لیے ماہرین اب بھی مسلسل غور وفکر کے عمل سے گزر رہے ہیں۔

شمالی ہند کے اسی خلا کو پر کرنے کے لیے ڈاکٹر فیروز احمد نے ''راجستھانی اور اردو'' تحریر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس کا مقصد کسی نئے لسانی نظریے کی تشکیل نہیں بلکہ اردو زبان کی تعمیر وترقی میں شمالی ہند کی اس زبان کی اہمیت کو واضح کرنا ہے جو ''راجستھانی'' کے نام سے موسوم ہے۔ ان کا خیال ہے کہ امیر خسرو (متوفی ۱۳۲۵ء) کے بعد مذکورہ صدیوں میں شمالی ہند کے مغربی حصے بالخصوص راجستھان میں سنسکرت فارسی اور ریختہ کے نام سے متعدد اہل قلم نے دیوناگری میں جو ادب تخلیق کیا وہ ہماری نظر میں نہیں ہے یا ہم نے انھیں صرف اس لیے نظر انداز کر دیا کہ وہ فارسی رسم الخط میں نہیں لکھا گیا، وہ کہتے ہیں کہ کسی زبان کی بقا اور تحفظ کے لیے رسم الخط کی اہمیت کا انکار ممکن نہیں لیکن جب کہ معاملہ زبان کے ابتدائی ایام میں اس کی تعمیر وتشکیل کا ہو تب رسم الخط کی اہمیت ثانوی ہو جاتی ہے، ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ شمالی ہند میں جن صدیوں میں اردو کے عدم استعمال پر حیرت کا اظہار کیا گیا ہے تقریباً انھی صدیوں میں دیوناگری رسم الخط میں تخلیق شدہ ادب کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ہم اپنی زبان وادب کو دیوناگری رسم الخط میں لکھے گئے ان ادب پاروں سے مزین کریں تو ہم اس خلا کو پر کر سکتے ہیں جو امیر خسرو کے بعد شمالی ہند میں سترھویں صدی عیسوی تک نظر آتا ہے۔

یہی وہ Hypothesis ہے جو اس کتاب کے وجود میں آنے کا سبب بنا، ذیل میں کتاب کے مندرجات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

کتاب پیش لفظ کے علاوہ سات عنوانات/ابواب پر مشتمل ہے، پہلا عنوان ''اردو زبان کی ابتداء سے متعلق مختلف نظریات'' ہے اس کے تحت قدیم وجدید نظریات کو بیان کیا گیا ہے ان نظریات کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب اس نظریے پر صاد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اردو کی ابتدا کھڑی بولی سے ہوئی جو دہلی، مراد آباد، میرٹھ اور قنوج کے علاقوں میں رائج تھی دکنی اسی کھڑی بولی کا قدیم روپ ہے اور اسی روپ کی دوسری مثال گجری کی شکل میں ملتی ہے اگر چہ دکنی اور گجری میں مقامی اثرات بھی نمایاں ہیں مگر ان کا غالب رجحان کھڑی بولی سے ان کی قربت کو ظاہر کرتا ہے۔ عربی وفارسی سے راست طور پر اثر پذیر ہو کر مختلف علاقوں میں

الگ الگ ناموں سے رائج یہی زبان ہندوی، ہندی، زبان ہندوستان، ریختہ، اردوے معلیٰ اور آخر اردو کے نام سے موسوم ہوئی نیز وہ قدیم زبان جس سے اردو نے ارتقاء پایا ہے ہند آریائی ہے۔

دوسرا عنوان ''بولی رزبان کے طور پر راجستھانی کا مطالعہ'' ہے، اس میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ راجستھانی کسی ایک بولی یا زبان کا نام نہیں بلکہ یہ مجموعہ ہے کم از کم پانچ الگ الگ مزاج رکھنے والے بولیوں کا جو راجستھان کے مختلف علاقوں میں صدیوں سے بول چال کا ذریعہ رہی ہیں۔ انھیں راجپوتی بولیاں یا راجستھانی بولیاں بھی کہا جاتا ہے ان بولیوں میں مارواڑی، مہواڑی، باگڑ، باگڑی، ڈھونڈھاری، ہاڑوتی، میواتی اور برج بھاشا شامل ہیں، راجستھانی زبان کے لیے ڈنگل اور پنگل کا لفظ بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔

تیسرا عنوان ''اردو زبان کی تشکیل میں راجستھانی کا کردار'' ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ راجستھانی کے تحریری ادب میں جو ڈنگل اور پنگل کے نام سے موجود ہے نہ صرف لفظی سطح پر بلکہ ضمائر اور حروف جار کے اعتبار سے بھی ایسی مثالیں بہ کثرت ہیں جن سے اردو پر راجستھانی کے اثرات کی نشان دہی کی جاسکتی ہے ان مثالوں میں چھند (ناز، مکر، فریب)، کدھی رکدھیں (کبھی)، تمن (تم نے)، لاگی (لگنا)، ساچا (سچ، سچا)، ترت (فوراً)، لکھن ہار (لکھنے والا)، چھوری رچھورا (لڑکی رلڑکا)، تروار (تلوار)، کن (کون)، سنگل رسانگل (زنجیر)، کے بار (کتنی بار)، دوجا (دوسرا)، مینھ (بارش)، لگائی (عورت)، دھرنا (رکھنا)، بچھونا (بستر)، بھیتر (اندر)، باگھ (شیر)، ماٹی (مٹی) وغیرہ شامل ہیں، یہ تمام الفاظ موجودہ شکل میں اور کبھی املائی تبدیلی کے ساتھ اردو کی قدیم مثنوی زبانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

چوتھا عنوان ''راجستھانی اور اردو: مماثلت کے چند پہلو'' ہے، اس میں ڈاکٹر صاحب نے ہمیر رائن مصنف کھیم بھارو رچت جو راجستھانی کی قدیم تصنیف ہے (۱۴۸۱ء میں لکھی گئی) کے حوالے سے ایسے عربی و فارسی الفاظ کی نشان دہی کی ہے جو تلفظ اور املائی تغیرات کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں اور اردو میں اپنی اصلی صورت میں آج بھی لکھے اور بولے جاتے ہیں، مثلاً: کھلق (خلق)، ماپھ (معاف)، آلم (عالم)، اِلاج (علاج)، تاکد (تاکید)، تکسیر (تقصیر)، وجیر (وزیر)، ربت (ربط)، بسکر (لشکر)، ماپھک (موافق)، پریشان، گمراہ وغیرہ اس کے علاوہ مختلف ادوار میں لکھی گئی تصانیف کا جائزہ لے کر راجستھانی اور اردو کے مابین مماثلت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

پانچواں عنوان ''راجستھانی کی تہذیبی و ثقافتی قدریں'' ہے، اس کے تحت راجستھانی میں لکھی گئی قدیم تخلیقات (زمانہ تصنیف ۹۴۳ء سے ۱۳۴۳ء) تک میں تہذیب و ثقافت کے اظہار کی نشان دہی کی گئی ہے۔

چھٹا عنوان ''راجستھان کے اولین شعراء اور ادباء کے تہذیبی تصورات'' ہے اس باب میں چودھویں